pISSN:0000-0000
eISSN:0000-0000

CC BY
OPEN ACCESS

ندیم اختر
لیکچرار، شعبہ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، جھنگ

Nadeem Akhter
Lecturer, Department of Urdu, Govt. Postgraduate College, Jhang

اقبال جھنگ کے شعرا کی نظر میں

IQBAL IN THE EYE OF POETS OF JHANG

Abstract:

Jhang is a land of two rivers. It is a favourite place of Sufis and poets. It is known for the shrine of Sultan Bahoo and Heer Ranjha. Majeed Amjad, Sher Afzal Jaffery, Jaffer Tahir and Abdul Aziz Khalid are the famous poets of Jhang known worldwide for their great literary work. Allama Iqbal is the poet of the East. His poetry is an asset in the tradition of Urdu and Persian poetry. He gave the lesson of "self" to the people of sub-continent especially to the Muslims. The poets of Jhang paid tribute to the great scholar and poet by their poetry. This tribute carries the deep emotions and love of these poets.

علامہ اقبال اردو زبان و ادب کے وہ عظیم محسن ہیں جنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے سے اردو کی توقیر و وقعت میں بیش بہا اضافہ کیا۔ بنابریں اپنی فلسفیانہ شاعری سے روحانی طور پر خوابیدہ قوم کو ظلمت و جہالت سے نکلنے کی تلقین کی۔ اسے حال کے آئینے میں ماضی کا عکس دکھا کر اپنا مستقبل سنوارنے پر اکسایا۔ امید اور رجائیت کا پیغام دیا۔ مایوسی کے اندھیروں میں آس کا دیپ روشن کر کے اپنی ذات و تشخص کے اثبات و استحکام پر ابھارا۔ روشن مستقبل کی نوید سنائی۔

اقبال کی فکر اور اُن کے فلسفے پر اردو زبان میں غالباً سب سے زیادہ تنقیدی و توضیحی سرمایہ وجود میں آیا۔ اردو نثر کا دامن اگرچہ اقبالیاتی ادب سے مالا مال ہے تاہم اقبال نے اپنے معاصر شعرا اور بعد میں آنے والے شعرا پر فکری و فنی لحاظ سے بھی گہرے اور دوررس اثرات مرتب کیے ہیں۔ اقبال کے رنگ میں متعدد شعرا نے لکھا۔ اسی طرح ہر دور کے شعرا نے اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے اپنی استعداد اور شعری صلاحیت کے مطابق منظومات تحریر کیں۔ اس معاملے میں اہل جھنگ بھی کسی سے پیچھے نہیں اور کئی بڑے

شاعروں نے اقبال کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے جن میں مجید امجد، شیر افضل جعفری، رفعت سلطان، عبد العزیز خالد اور کبیر انور جعفری جیسے معروف شاعر شامل ہیں۔ ذیل میں جھنگ میں اقبال پر تحریر کی جانے والی منظومات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

مجید امجد نہ صرف قومی بلکہ بین الاقوامی سطح پر شاعری میں مستند اور معتبر نام ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے سے جہاں جھنگ کی تہذیب و ثقافت کو دنیا بھر میں اجاگر کیا ہے وہاں ایسا قیمتی شعری سرمایہ بھی چھوڑا ہے جس نے اُن کے نام کو ادبی تاریخ میں امر کر دیا ہے۔ اُن کی شاعری کا رنگ ڈھنگ، منفرد اور موضوع انسانی داخلیت اور خارجیت کی معاشرتی تناظر میں کشمکش ہے۔ ایک بڑا شاعر ایک عظیم شاعر کے حضور منظوم خراج عقیدت پیش کرتا ہے اور کسی جگہ موضوعاتی اور فکری طور پر اُن کا خوشہ چیں بھی بنتا ہے، جیسے فلسفہ زمان کے کچھ عناصر میں اقبال اور مجید امجد کے ہاں اشتراک پایا جاتا ہے۔ مجید امجد کی شاعری کے متعلق مختار حُر اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے میں رقم طراز ہیں:

> "جھنگ کی ادبی روایت سے تعلق رکھنے والا یہ منفرد اور نادر اسلوب کا شاعر جھنگ کی ادبی روایت کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں بھی بے مثال ہے، جس کی فکری و فنی عظمت مسلمہ ہے اور ایک زمانہ اُس کا معترف ہے۔ جیسے جیسے تنقیدی شعور میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے مجید امجد کی مقبولیت میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔"(۱)

کلیات مجید امجد مرتبہ خواجہ محمد زکریا میں اقبال پر دو نظمیں موجود ہیں، دونوں کا عنوان اقبال ہے۔ پہلی نظم ۱۹۳۳ء میں تحریر کی گئی ہے اور صفحہ ۱۸۰ پر درج ہے۔ امجد اقبال کو شاعر حیات قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

اقبال! کیوں نہ تجھ کو کہیں شاعر حیات
ہے تیرا قلب محرم اسرار کائنات (۲)

اقبال نے اس کائنات کو انسان کے لیے عمل کی جولاں گاہ کہا تھا اور زندگی کو پیہم رواں دواں قرار دیا تھا۔ مجید امجد نے اس نظم میں اقبال کے متعلق ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اقبال نے مغربی تہذیب و تمدن پر اُن کی مادیت پرستی اور عقلیت کے باعث ہمیشہ تنقید کی۔ اُن کو روحانیت سے عاری کہا اور اُن کے مقابلے میں مشرق کو ترجیح دی۔ یورپ کی شان و شوکت کو عارضی اور جلد مٹنے والا بتایا۔ ایسے ہی خیالات کا اظہار مجید امجد نے اپنی نظم میں کیا ہے:

مشرق تری نظر میں ہے امید کا افق
مغرب تری نگاہ میں ہے غرقِ سیئات
یورپ کی ساری شوکتیں تیرے لیے سراب
ہنگامۂ تمدن افرنگ، بے ثبات (۳)

اقبال کو حیات بخش شاعر کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اقبال کو قرآن کا شاعر اور شاعر کا قرآن بھی کہا گیا ہے۔ تقریباً ہر ناقدِ اقبال نے یہی دعویٰ کیا ہے کہ اقبال کے فکر و فلسفے کا ماخذ و منبع قرآن کریم ہے۔ اقبال کا کلام بانگِ درا اور اُن کا ہر نقطہ قرآن کی تفسیر اور تشریح کہلاتا

ہے۔ مجید امجد نے بھی اقبال کو قرآن کا مفسر اور بھولے ہوؤں کو راہ دکھانے والا خضر قرار دیا ہے۔ اقبال کے سینے میں عشق کی شورشیں پنہاں ہیں۔ اُس کی نظر میں کائنات کی تخلیق کے راز منکشف ہیں اور اُس کے ضمیر میں کائنات کا مقدر پوشیدہ ہے۔ اسی لیے اقبال کو مجید امجد نے یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

تیرا کلام جس کو کہ بانگ درا کہیں
ہیں اُس کے نقطے نقطے میں قرآن کے نکات
بھولے ہوؤں کو تونے دیا درس زندگی
زیبا ہے گر کہیں تجھے خضرِ رہِ حیات
سینے میں تیرے عشق کی بے تاب شورشیں
محفل میں تیری قدس کی رقصاں تجلیات
عریاں تری نگاہ میں اسرارِ کن فکاں
مضمر ترے ضمیر میں تقدیر کائنات
دنیا کا ایک شاعر اعظم کہیں تجھے
اسلام کی کچھار کا ضیغم کہیں تجھے (۴)

آخری شعر میں دنیا کا عظیم شاعر اور اسلام کی کچھار کا شیر کہہ کر اقبال کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ نظم دس اشعار پر مشتمل ہے جس میں سے پہلے نو اشعار غزل کی ہیئت میں ہیں اور آخری شعر کسی ترکیب بند کی طرح ہم قافیہ و ہم ردیف ہے۔ نظم میں موجود صنائع بدائع، معنوی و لفظی نظم کو دلکش اور خوب صورت بناتے ہیں۔ تراکیب میں جدت اور معنوی گہرائی موجود ہے۔ نظم کے ہر شعر اور ہر لفظ و ترکیب سے اقبال کے لیے شاعر کی گہری عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اقبال کے مقام و مرتبے کی تحسین کے لیے شاعر نے زبردست اسلوب اور گہری لسانی بصیرت کو کام میں لاتے ہوئے اس نظم کو تحریر کیا ہے۔

دوسری نظم بھی "اقبال" ہی کا عنوان رکھتی ہے۔ اس نظم کے تین بند ہیں۔ پہلے دو بند غزل کی ہیئت میں ہیں جن کی ردیف "اقبال" ہے۔ ہر بند کا آخری شعر ہم قافیہ و ہم ردیف ہونے کی وجہ سے اسے ترکیب بند بناتا ہے۔ تیسرے بند کے پہلے چار شعر علیحدہ قافیہ ردیف میں ہیں جبکہ پانچواں اور آخری شعر علیحدہ قافیہ ردیف کا حامل ہے۔ مختصر بحر میں لکھی گئی یہ نظم اقبال کے لیے شاعر کے گہرے ترین عقیدت و محبت کے جذبات کا خوبصورت اظہار ہے۔

پہلے بند میں اقبال کو زندگی کی مشعل کی روشنی سے تشبیہ دی گئی ہے اور انھیں رہبر دوجہاں کے قافلے کا فرد کہا گیا ہے جس شمع ازل سے طور کی محفل روشن ہوتی تھی اقبال کو اُس کی روشنی اور کفر کے خلاف حق کا ایک تیز رو سیل بتایا گیا ہے۔ اقبال نے مسلمانوں کو ایک

نئی صبح سے روشناس کروایا۔ جب اُن کا افق تاریک تھا، جب لوگوں میں زندگی اور امیدِ زندگی دم توڑ رہی تھی۔ اقبال نے انھیں امید اور زندگی کا پیغام دیا۔ انھی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مشعل زندگی کی ضو اقبال
رہبر دوجہاں، جلو اقبال
محفل طور جس سے روشن تھی
اسی شمع ازل کی ضو، اقبال
خس و خاشاکِ کفر کے حق میں
ایک سیلابِ تندرو اقبال
افقِ تیرۂ دو عالم پر
پر توِ نورِ صبحِ نو، اقبال
شاعر زندگی پیام اقبال
زندہ و زندۂ دوام اقبال(۵)

دوسرے بند میں اقبال کو ساقی بادہ حیات قرار دیتے ہوئے انھیں مطرب ساز کائنات کہا ہے۔ اقبال تہذیب کو جس نظر سے دیکھتے تھے اس کی جانب مناسب انداز میں شاعر اشارہ کرتا ہے اور ایک بار پھر اقبال کو شاعر قرآن اور مفسر قرآن ٹھہراتا ہے۔ اقبال نے ساری دنیا کو یہ پیغام دیا کہ اُن کی بقا اور فلاح صرف اور صرف اسلام کے سنہرے اصولوں پر چلنے اور قرآن کے پیغام کو سمجھ کر اپنی زندگی کا حصہ بنانے میں مضمر ہے۔ اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے اقبال کو جہان کا رہنما اور ہندوستان کا فخر قرار دیا ہے۔ آخری بند میں اقبال کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ثبت لوحِ جہاں پہ نام اس کا
زندۂ جاوداں کلام اس کا
حشر تک گونجتا رہے گا یوں
دہر میں سرمدی پیام اس کا
تابدور فلک، زمانے میں
دور کرتا رہے گا جام اس کا
جس رہِ منزلِ حقیقت پر
اٹھ چکا ہے خجستہ گام اس کا

تم بھی اس راستے پہ بڑھتے چلو
نردبانِ فلک پر چڑھتے چلو(۶)

اس نظم کی تاریخ تحریر ۸ جنوری ۱۹۳۸ء رقم ہے۔ یعنی یہ نظم اقبال کی وفات سے صرف دو ڈھائی ماہ پہلے لکھی گئی۔ آخری بند میں اقبال کے کلام کے متعلق رائے دیتے ہوئے شاعر اُسے زندہ و جاوداں اور ہمیشہ رہنے والا کہتا ہے۔ اُس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اقبال کا کلام چونکہ تفسیر قرآن ہے اس لیے جیسے قرآن ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ بعینہٖ اس کی تفسیر بھی ابدی طور پر دنیا میں موجود رہے گی۔ خواہ وہ نظم میں ہو یا نثر میں۔ اقبال کے فکر و فلسفہ سے ہمیشہ لوگ فیض یاب ہوتے رہیں گے اور اُس کے حیات بخش پیغام سے اپنی زندگیوں کو رواں دواں اور جاوداں کرتے رہیں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسی راستے پر چلا جائے جس راستے پر اقبال نے قدم رکھا۔ زندہ و جاوید ہونے کے لیے اقبال کے پیغام کو زندگی میں شامل کرنا ضروری ہے۔

مجید امجد نے اپنی دونوں نظموں میں اقبال کے متعلق اپنی شدید ترین محبت و گہری عقیدت کے جذبات کا اظہار کیا ہے اور فکر اقبال کی اہمیت کو واضح اور اجاگر کرتے ہوئے اپنے دور کے انسان کو اقبال کا پیغام اپنی زندگیوں میں رائج کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ اقبال کے متعلق جھنگ کے عظیم نظم گو شاعر کا خوبصورت الفاظ میں نذرانہ عقیدت قابل ستائش ہے۔

سید غلام علی بھیک نیرنگ اقبال کے نجی اور قریبی دوستوں میں سے ہیں، دونوں عظیم شخصیات زمانۂ طالب علمی میں گورنمنٹ کالج لاہور میں ساتھ رہیں۔ ہاسٹل میں محفلیں جمتیں اور شعر و سخن سے لے کر تاریخ تک تمام موضوعات زیر بحث آتے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھی دونوں کی دوستی اور رفاقت قائم رہی اور یہ دیرینہ مراسم اقبال کی وفات تک رہے۔

سیاسی و سماجی میدان میں بھی مل کر دونوں نے مسلمانوں کے لیے جدوجہد کی۔ کئی سفر اور حضر تاریخ میں موجود ہیں جو اقبال اور نیرنگ نے اکٹھے کیے۔ اقبال جب یورپ سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد واپس آئے تو خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار پر حاضری دی۔ وہیں اقبال کی شان میں ایک محفل برپا کی گئی اور نیرنگ نے ان کے وطن واپس آنے کی خوشی میں ایک نظم بہ عنوان "ترانۂ مسرت" پڑھی۔ خود نیرنگ اس نظم کے متعلق لکھتے ہیں:

> "اقبال کا ولایت سے بہ خیریت واپس آنا اہل دل اور اہل سخن کے لیے کوئی معمولی خوشی کی بات نہیں۔ یہی ایک شخص ہے جس کے دم سے اردو زبان کی اعلیٰ، اصلی اور سچی شاعری کی تمام امیدیں آج وابستہ ہیں۔ ان کے واپس تشریف لانے سے اہل علم، ارباب ذوق اور اصحاب سخن میں ایک خاص مسرت پھیلی ہوئی ہے۔ راقم عرصۂ دراز سے دنیا کے دھندوں میں اس قدر گرفتار ہے کہ شغل سخن سے قطعی محروم ہے۔ مگر اقبال کی آمد کی خوشی نے انبالہ سے دہلی جاتے ہوئے ریل میں مندرجہ ذیل سطریں لکھوا ہی لیں ہیں۔ یہ چند سطریں ۲۶ جولائی ۱۹۰۸ء کو درگاہ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ مقام دہلی میں ایک ایسی بزم میں پڑھی گئیں جن میں اقبال کی شمع کمال کے چند پروانے جمع تھے۔"(۶)

حاشیے میں درج ہے کہ یہ نظم "مخزن" میں اگست ۱۹۰۸ء میں ص ۶۲۔۶۳ پر شائع ہوئی۔ غزل کی ہیئت برتتے ہوئے نیر نگ نے اقبال کے وطن واپس آنے کی خوشی میں اپنے محبت و عقیدت بھرے جذبات کا کچھ ایسے اظہار کیا ہے:

فصل بہار آئی پھر گلشن سخن میں
اک جشن ہورہا ہے مرغانِ نغمہ زن میں
وہ مژدۂ مسرت لائی صبا چمن میں
پھولے نہیں سماتے پھول اپنے پیرہن میں
گلشن کے سبز پوشو جھٹ پٹ سنگار کرلو
عطرِ عروس مل دو پھولوں کے پیرہن میں(۷)

نیر نگ اپنے اہل وطن کو اقبال کی آمد پر خوشیاں منانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں اقبال کا آنا اہل دل کے لیے اور اہل فن کے لیے عید کا باعث ہے۔ اقبال کو یورپ میں بھی خوب پذیرائی ملی اور اب آپس آنے پر سخن کے چرچے ہوں گے اور یاروں کی انجمنیں برپا ہوں گی۔ وہ آخری اشعار میں کہتے ہیں:

یورپ کی سیر کے اقبال واپس آئے
خوشیاں منائیں مل کر اہلِ وطن ، وطن میں
ہے آمدِ مسرت اقبال تیری آمد
خوشیاں ہیں اہل دل میں عیدیں ہیں اہلِ فن میں
سر آنکھوں پر بٹھایا یورپ میں تجھ کو سب نے
غربت میں بھی رہا ہے گویا سدا وطن میں
پھر تیرے دم سے ہوں گے تازہ سخن کے چرچے
پھر رونقیں رہیں گی یاروں کی انجمن میں(۸)

اقبال کی وطن واپس آمد پر اس کی نجی و دیرینہ مصاحب نیر نگ کی طرف سے پیش کیا گیا منظوم استقبالیہ ایک عظیم دوست کے لیے گہری محبت، عقیدت اور خیر سگالی کے جذبات لیے ہوئے تھے۔ زبان سادہ ہے مگر خوشی میں دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے الفاظ گہرا تاثر قائم کرتے ہیں۔

جھنگ کے مست ملنگ شاعر شیر افضل جعفری بھی اقبال کی محبت میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ جس طرح تمام بڑے شعرا نے اقبال کو منظوم خراجِ تحسین پیش کیا ہے، شیر افضل جعفری نے بھی اپنے جذبات و احساسات کا اظہار اقبال پر دو منظومات کی صورت میں کرتے ہیں۔ شیر افضل جعفری کی شاعری میں حقیقت اور مجاز کا ایک حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ کوئی بھی غزل ایسی نہیں جس میں ان

کے خیالات کسی نہ کسی شعر میں حقیقت کا رنگ اختیار نہ کر پائے ہوں۔ وہ تو غزل بھی تب کہتے ہیں جب رات سولی پر بسر کرتے ہیں۔ مشہور مصرع ہے:

ع　　رات سولی پہ ہو تو غزل ہوتی ہے

اقبال پر شیر افضل جعفری کی دو منظومات ہیں۔ پہلی کا عنوان "اقبال" ہے اور یہ غزل کی ہئیت میں ہے۔ اقبال کے فکر و فلسفہ کو شیر افضل جعفری نے خوب سمجھا ہے اور اپنے شعروں میں سمویا ہے۔ ان کے خیال میں اقبال نے اپنی شاعری کا موضوع اسلام کو بنا کر مسلمانوں کو صحیح معنوں میں مسلمان بنا دیا۔ اسی طرح انسانوں کے درمیان پیار، محبت اور اخوت کے جذبات پیدا کر کے انھیں ایک جسم اور جان کی مانند رہنے کا درس دیا اور تمام مسلمان قوم جو منتشر اوراق کی طرح تھی اسے یکجا کر کے قوت و توانائی فراہم کی اور جن کی زبانیں گنگ تھیں وہ اپنی زبانوں پر قرآن کے نغمے الاپنے لگے۔ انھی خیالات کو اپنے اشعار میں شیر افضل جعفری نے یوں سمویا ہے:

فکر منظوم کو اسلام کا عنوان کیا
تو نے اقبال مسلماں کو مسلمان کیا
مست و سر شار محبت کے ترانے دے کر
بزمِ تاریخ میں جمہور کو یک جان کیا
گنگ مٹی کو دیا بلبل عرفاں کا الاپ
بے زباں قوم کو نغمہ گرِ قرآن کیا(۹)

شیر افضل جعفری کی شاعری میں جہاں کلاسیکیت اور زبان کا متاثر کن اسلوب موجود ہے وہاں جھنگ کی تہذیب و ثقافت اور مٹی کی بو باس بھی اپنی پوری شان کے ساتھ رچ بس گئی ہے۔ نادر تراکیب کے استعمال سے اشعار میں گہرے معنی سمو دینا ان کا خاصہ ہے۔ اقبال کے حضور ان اشعار میں جہاں ان کا فلسفہ و پیام جھلکتا ہے وہاں اپنے لسانی شعور کو بھی بہترین انداز میں بروئے کار لاتے ہوئے اقبال کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ ذیل کے اشعار دیکھیے:

زہدِ بے روح کو تعلیم کیے عشق و خلوص
دیدۂ قلب کو انساں کا نگہبان کیا
تال بے دے کے دھڑکتے ہوئے ارمانوں کو
بسمل ارض کو رقاصِ فلک شان کیا
راز افلاک کے برسا دیے انسانوں پر
ریت کے ذروں کو تاروں کا زباں دان کیا
پاک اقلیم کا ایام کو نعرہ دے کر

مسئلہ شیخ و برہمن کو بھی آسان کیا(۱۰)

انسان کے لیے بسملِ ارض کی ترکیب نہایت بر محل ہے اور اسے رفعت سے آشنا کروانے کے لیے رقاص فلک شان کی ترکیب بھی نہایت بامعنی اور زبردست ہے۔ شیر افضل جعفری کے ان اشعار میں جہاں شعریت اپنے عروج پر نظر آتی ہے وہیں اقبال کے لیے ان کے گہرے جذبات کا اظہار بھی بڑے مناسب انداز میں ظاہر ہوتا ہے۔ دوسری نظم کا عنوان "بحضورِ قلندر" ہے دو دو اشعار قطعوں کی صورت میں اس نظم میں موجود ہیں۔ پہلے قطعے میں اقبال کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ مسلمان جو ایک ادھ جلی شاخ کی مانند سلگ رہا تھا تو نے اسے پھلنے پھولنے کا درس دیا اور بجھی ہوئی دعاؤں میں اثر پیدا کیا، مسلمان جو غلامی کی اندھیری رات میں کھوئے ہوئے تھے۔ اقبال نے اس کو اپنی شاعری سے منزل کی راہ دکھائی اور جگر کے زخموں کو چاند بنا دیا، اس کے لیے مشکلات کے پہاڑ روئی کے گالوں سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ اسے اپنی منزل آسمانوں میں نظر آتی ہے۔ ان خیالات کو شاعر نے یوں پیش کیا ہے۔

سمجھ رہا ہے پہاڑوں کو روئی کے گالے
مہیب سلسلوں کو عنکبوت کے جالے
نگاہِ وقت سے گرتے ہوئے مسلماں نے
تری عنایتوں سے ہاتھ عرش پر ڈالے(۱۱)

شاعر کے خیال میں اقبال دیدۂ بینا رکھنے والا عظیم فلسفی، حکیم اور شاعر ہے۔ اس لیے وہ پل بھر میں دور دور تک دیکھ اور سوچ لیتا ہے۔ اس کی انا اور خودی میں اتنی قوت ہے کہ وہ عزرائیل کو بھی شکست دے سکتا ہے یعنی اسے موت بھی خوفزدہ نہیں کر سکتی۔ وہ اسے بے پناہ صلاحیت اور قدرت سے بہار، ابر، فضا، نصیب، قدر اور قضا کو شکار کر لیتا ہے اور اس کی رسائی اور دسترس سے خدا بھی دور نہیں بلکہ وہ اپنے خالص عشق کی بنیاد پر اسے بھی اسیر بنا لیتا ہے۔ اس مضمون کو شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

بہار و ابر و فضا کو شکار کرتا ہے
نصیب و قدر و قضا کو شکار کرتا ہے
خودی کے مست اشاروں کی چاندنی میں دل
قلندری سے خدا کا شکار کرتا ہے(۱۲)

شیر افضل جعفری نے اس نظم میں اقبال کو بڑے دلکش اور خوبصورت انداز میں ہدیۂ عقیدت پیش کیا ہے۔

کیپٹن جعفر طاہر (۱۹۱۷ء تا ۱۹۷۷ء) جھنگ کی شاندار علمی و ادبی روایات کا وہ درخشاں ستارہ ہیں جن کی تب و تاب سے انکار ممکن نہیں۔ انھوں نے اپنی بلند فکری اور پختہ فنی سے غزل اور مذہبی شاعری کو جداالب و لہجہ اور مختلف اسلوب عطا کیا۔ غزلیات جعفر طاہر، سلسبیل، ستارۂ انقلاب اور ہفت کشور جیسی شہرہ آفاق تخلیقات ان کے نام کو زندہ و تابندہ رکھنے کے لیے اپنا کردار ادا کرتی رہیں گی۔ وہ اردو

شاعری میں ''کینٹو'' جیسی صنف کی بنیاد رکھنے والوں میں سے ہیں اردو میں ن م راشد اور جعفر طاہر نے کینٹو لکھے جو اردو ادب میں بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ وہ افواج پاکستان کا حصہ رہے، میدان جنگ میں شریک رہے۔ انھوں نے اپنے عسکری جذبات کو اپنے کلام کا حصہ بنایا۔ ''واپسی''، ''گمنام سپاہی'' اور ''ایک سو سپاہی'' عسکری جذبات وادب کی یادگار تخلیقات ہیں۔ سقوط ڈھاکا نے ان کے مزاج پر گہرے اثرات مرتب کیے ''سقوط ڈھاکا'' اور ''اسیر ان وفا کی واپسی'' اس ضمن میں اہم نظمیں ہیں۔

جعفر طاہر اقبال کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

نشاطِ دیدہ و دل ہے شراب خانہ ترا
یہ دورِ نو ہے کہ دو مئے مغانہ ترا
فضائے ارض و سما ہے کہ صید گاہ تری
خدائی کیا ہے خدا بن گیا نشانہ ترا
ہزار فلسفیوں سے جو راز حل نہ ہوا
وہ راز کھول گیا حرف محرمانہ ترا
یہ فیضِ تربیتِ بھر تری ہری، رومی
سخن بہ نظم و غزل بحر بے کرانہ ترا
غنی و بیدل و غالب سے تیرا یارانہ
زہے نظیری و عرفی سے دوستانہ ترا
ہے تیرے خواب کی تعبیر ارضِ پاکستان
یہ نقش تیرا ہے، یہ نقش جاودانہ ترا
سلام شاعر آفاق و شاعرِ ابدی
محیط سارے زمانوں پہ ہے زمانہ ترا
نکل کے جائے کہاں تیری بزم سے طاہرؔ
یہ ایک سر جسے کافی ہے آستانہ ترا[۱۳]

نظم کا عنوان ''اقبال'' ہے۔ نظم طویل اور غزل کی ہیئت میں ہے۔ جعفر طاہر کے ان اشعار میں اقبال کے والہانہ عقیدت و محبت کے جذبات صاف دیکھے جاسکتے ہیں۔ طاہر کے خیال میں یہ زمین و آسمان ہی نہیں بلکہ اقبال نے تو سیدھا خدا ہی پر عشق کی کمند ڈالی ہے اور ہزاروں فلسفیوں سے معرفتِ حقیقی کا جو راز کھل نہ سکا وہ اقبال نے اپنے عشق کی طاقت اور فلسفیانہ دانش مندی سے طشت از بام کر دیا

ہے۔ رومی اور بھرتری ہر کی تربیت اور غنی، بیدل، غالب، نظیری و عرفی سے اقبال کا دوستانہ ہے جو اقبال کو بلند خیال اور خوش فکر شاعر بنا دیتا ہے۔ خود طاہر بھی اقبال کی صحبت میں رہنے کا مشتاق ہے اور اسے اپنا آستانہ بنائے رکھنا چاہتا ہے۔

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو کے خاندان کے چشم و چراغ صاحب زادہ رفعت سلطان جھنگ کے مشہور و معروف شاعر ہیں۔ دس کے قریب آپ کے شعری مجموعے منظر عام پر آئے اور "الف اللہ چنبے دی بوٹی" کی مناسبت سے سب کے نام الف سے شروع ہوتے ہیں، جیسے ارمان، التماس، انتخاب وغیرہ، میر، درداور غالب کے سے انداز میں لکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی شاعری تغزل، موسیقیت، ترنم، سوز و گداز، ندرتِ ادا، غنایت اور انفرادیت کی حامل ہے۔ صوفی گھرانے سے تعلق انھیں حقیقت کے قریب کرتا ہے۔ اپنی کتاب "آفاق" کا انتساب بھی اقبال کے نام کیا۔

اقبال سے ان کی محبت اور عقیدت کا اظہار ان کی طویل نظم سے ہوتا ہے، جو "حضرت علامہ اقبال" کے عنوان سے موجود ہے۔ نظم کا آغاز اقبال کے محرم قرآن ہونے اور عاشق رسولؐ کے بیان سے ہوتا ہے وہ اقبال کو آسمان کی وسعت کا ایک سورج قرار دیتے ہیں، جس کی روشنی سے تاریکی اور ظلمت چھٹتی ہے۔ اقبال مشرق کا ایسا بطل جلیل ہے جو سخن وروں کی آبرو اور عزت ہے۔ اس کا پیغام زندگی کی دلیل اور اس کے اشعار انسان کو عزم و عمل پر آمادہ کرنے والے ہیں۔ اقبال پر اشعار ایسے اترتے تھے جیسے طور پر یزداں کا جلوہ نازل ہوا تھا۔ بے عملی کے دور میں اس کی آواز ایسے ہے جیسے محشر میں اسرافیل کا صور ہو۔ وہ ایسا فرزند عالم اسلام ہے جس کا ہمسر ڈھونڈنا آسان نہیں۔ وہ دانش ور اور حکیم ہے، جس نے قوم کی دکھتی نبض پر ہاتھ رکھا اور اس کے تجویز کردہ علاج اور تدبیر سے قوم کو شفا یعنی آزادی حاصل ہوئی۔ ان خیالات کو شاعر نے یوں منظوم کیا ہے:

محرمِ معنئ کتابِ جلیل
عاشقِ وارثِ دیارِ خلیل
وسعتِ آسماں میں اک سورج
ظلمت بیکراں میں اک قندیل
آبروئے سخن ورانِ جہاں
ارضِ مشرق کا ایک بطلِ جلیل
طور پر جیسے جلوۂ یزداں
ذہن پر اس کے فکر کی تنزیل
اس کے اشعار وجہِ عزم و عمل
اس کا پیغام زندگی کی دلیل
ایک فرزندِ عالمِ اسلام

جس کا ہمسر نہ کوئی جس کا عدیل
اس کی تدبیر نے شفا بخشی
ورنہ اک عمر سے تھی قوم علیل (۱۴)

اقبال نے قوم کو اندھیروں سے نکالا۔ زندگی کا درس دیا، عالم اسلام پر نا امیدی، مایوس اور بے عملی کا جو سحر چھایا ہوا تھا۔ اس کا توڑ اپنی حیات بخش شاعری سے کیا۔ اس نے فقر کو بادشاہی سے بہتر بتایا، حضرت حیدرؓ کے اسوہ اور کردار کی تعلیم دے کر مغرب کا فسوں توڑ ڈالا، خودی کے اثبات، استحکام اور عرفان کا سبق پڑھا کر آدم کو فضیلت اور رفعت کی جانب گامزن ہونے کی تلقین کی۔ بے خودوں کو خودی، کبوتر کو شاہین بننے، غلام کو آزادی حاصل کرنے پر اکسایا۔ اقبال فلسفی بھی ہے شاعر بھی، فقیر بھی ہے اور درویش بھی۔ شاعر اس بات پر اپنی نظم تمام کرتا ہے کہ اس قوم پر اقبال کے اتنے احسان ہیں انھیں کوئی بھلا نہیں سکتا ہے اور اقبال کا نام رہتی دنیا تک کوئی مٹا نہیں سکتا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

توڑ ڈالا فسونِ افلاطوں
دے کے تعلیم حیدریؓ اس نے
بے خودوں کو بنا دیا ہشیار
بخش کر جذبۂ خودی اس نے
دی کبوتر کو جرأت شاہیں
دی غلاموں کو خواجگی اس نے
فلسفی بھی، فقیر و شاعر بھی
زیست کس کس ادا سے کی اس نے
اتنے احساں بھلا نہیں سکتا
وقت اس کو مٹا نہیں سکتا (۱۵)

رفعت سلطان نے اقبال کے افکار و نظریات کا تذکرہ کرتے ہوئے بڑی محبت اور گہری عقیدت اسے انھیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ نظم دو بند اور چوبیس اشعار پر مشتمل ہے اور محبت کے جذبات سے لبریز ہے۔

جھنگ کی علمی و ادبی روایت میں عبد العزیز خالد کا نام ہمیشہ سنہری حروف میں رقم ہو گا۔ وہ جھنگ کی پہچان ہیں۔ ان کی فکری اور فنی عظمت مسلّمہ ہے، ان کی شاعری نہ تو روایتی ہے نہ کلاسیکی طرزِ ادا کی مالک بلکہ ان کی شاعری اسلامی فکر کی آئینہ دار ہے۔ انھوں نے اپنی نعتیہ شاعری سے یوں جھنگ میں نعتیہ روایت کا دامن مالا مال کر دیا ہے۔ ان کی شاعری وارداتِ قلبی اور حال کی شاعری معلوم ہوتی ہے

حتیٰ کی غزلوں میں بھی تصوف غالب ہے۔ ان کے جذبات و احساسات یہاں تک کہ زبان پر بھی اقبال کا اثر بہت حد تک چھایا ہوا ہے۔ ان کا اسلوب ہی ان کی انفرادیت ہے۔ ابنِ انشاان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اقبال سے خالد نے لفظیات نہیں بلکہ دروں نگری اور درد مندی کا لہجہ لیا، 'نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر'۔ اس رمز کو آج کا فنکار اور شاعر کم ہی سمجھتا ہے لیکن خالد نے اسے سمجھا اور یہی اس کی بڑائی ہے۔''(۱۶)

عبدالعزیز خالد نے اقبال سے محبت و نیاز مندی کا اظہار غزل کی ہیئت میں چوبیس اشعار لکھ کر کیا ہے، جس کا عنوان بھی ''اقبال'' ہے۔ اقبال کے متعلق ان کے جذبات و احساسات دل کی گہرائیوں سے پھوٹتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ہر ہر لفظ محبت کے جذبے سے سرشار ہے۔ مختصر بحر کو بڑے قرینے سے برتا ہے۔ اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اے خودی کے شاعرِ والا صفات
تجھ پہ آئینہ تھے اسرارِ حیات
سوز و ساز آرزو مندی سے تھی
روشن و پُرمایہ تیری کائنات
محرمِ یکتائی دُرِ یتیم
منکرِ دارائی لات و منات
تو نے درویشی کو دی شان کئی
تونے ٹھکرائی خدائی کی زکات
تونے کھولا اس طلسم راز کو
موت در پردہ ہے تجدید حیات(۱۷)

تیسرا شعر جہاں فکری و معنوی گہرائی کا حامل ہے وہاں ان کی لسانی مہارت واستعداد کا غماز بھی ہے کیونکہ دونوں مصرعے سالم ترکیب کی صورت موجود ہیں۔ اقبال کی زندگی عبادت و ریاضت، فکر و مراقبہ، اشک و آہ وزاری سے عبارت تھی۔ ان سے پہلے کے شعر و سخن کو برگِ حشیش سے تشبیہ دیتے ہیں اور جب اقبال نے شاعری کا آغاز کیا تو اسے ایک نئے انداز اور اسلوب سے متعارف کروایا۔ اقبال کے لمس نے اسے شاخِ نبات بنا دیا۔ ان کی شاعری محال و ممتنع کا انداز پیش کرتی ہے اور بیان کے تمام ممکنات ظاہر کرتی ہے۔ پنجاب والوں پر اردو زبان سے ناواقفیت کا الزام اہلِ زبان بار بار لگاتے تھے مگر اقبال نے اپنی شاعری سے اسے رد کیا اور اہلِ زبان کو بھی اس میدان میں مات دے دی۔ اسی کے متعلق لکھتے ہیں:

ہے محال و ممتنع تیرا کلام
تو نے دکھلائے بیاں کے ممکنات

تو نے نا ممکن کو ممکن کر دیا
یعنی دی اہل زباں کو شاہ مات(۱۸)

اقبال کے کلام کے متعلق عبدالعزیز خالد کا خیال ہے کہ یہ اسی طرح زندۂ جاوید ہے جس طرح زمانہ۔ اقبال کی تشبیہیں، استعارے، علامتیں، اندازِ تکلم اور پرواز تخیل پر خود شاعری بھی حیران و پریشان ہے۔ اقبال کے قلم سے جو آواز پیدا ہو رہی ہے یعنی وہ جو کچھ لکھ اور کہہ رہے ہیں۔ قرآن سے ہر گز باہر نہیں ہے اسی طرح شاعر نے اسے خدا کا ہاتھ کہا ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری میں جو فکر و فن سمویا ہے اسے معجزہ قرار دیتے ہوئے اقبال کے خواب کو پاکستان کی صورت میں تعبیر مل جانے پر اعتبار کی سند دیتے ہیں اور پھر کہا ہے کہ تیری قبر سے جو خوشبو آتی ہے یہ ضرور عشق رسولؐ کی ہے اقبال دنیا سے رخصت تو ہو گیا ہے مگر رہتی دنیا تک اس کا نام اور کلام زندہ رہے گا۔ عقیدت و محبت سے لبریز یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

زندۂ جاوید ہے تیرا سخن
ہے زمانے کی طرح اس کو ثبات
تیری تمثیلیں سوادِ حرف میں
رات کے آنگن میں تاروں کی برات
تیری پروازِ تخیل دیکھ کر
محوِ حیرت فاعلاتن فاعلات
ہے صریرِ خامہ آوازِ سروش
یہ خدا کا ہاتھ ہے یا تیرا ہات
حیطۂ ادارک میں آتے نہیں
تیرے ابعاد و مقامات و جہات
خواب جو دیکھا تھا تو نے بن گیا
رفتہ رفتہ نقشہ صبح نجات
بوئے عشق آتی ہے تیری قبر سے
ہے یہ کس کی تجھ پہ چشمِ التفات؟
ساری امت گوش بر آواز ہے
یا بلال! قم فنادِ با لصلوٰۃ(۱۹)

عبدالعزیز خالد نے اقبال کے لیے عقیدت کے جذبات کا اظہار بڑے دلکش اور خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ طویل اور جدید تراکیب، نادر تشبیہات اور تلمیحات کا استعمال اس منظوم خراج عقیدت کے حسن میں اضافہ کر دیتا ہے اور معنوی و فکری گہرائی اس کی ثروت و رفعت کو بڑھا دیتی ہے۔

احمد پور سیال جھنگ کی نئی بننے والی تحصیل ہے لیکن اس کی تہذیب و ثقافت بہت قدیم اور شعر و ادب سے مالا مال ہے اسی دھرتی سے تعلق رکھنے والے شاعر کبیر انور جعفری ہیں، جو پنجابی، اردو اور فارسی تینوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ ان کی غیر مطبوعہ کتب کی تعداد پچیس کے لگ بھگ ہے، صرف تین زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکیں۔ معاشرتی و معاشی مسائل آڑے آئے اور یہ عظیم شاعر کھل کر دنیائے ادب کے سامنے نہ آ سکا۔

"اقبال کی آواز" وہ نظم ہے، جو کبیر انور جعفری نے اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے تحریر کی ہے۔ جعفری صاحب اقبال کی آواز کو یتیموں کی دعا اور ناسازی دوراں کی دوا بتاتے ہیں۔ سفر میں راہنما اور جنگل کی تاریکی میں راہ سمجھانے والی بانگ درا اور کہیں بلبل کے ترنم کی صدا، اقبال کی آواز خاروں کو بھی فردوس بہاراں بنا دیتی ہے۔ اقبال غزلوں اور نظموں دونوں کا شہنشاہ اور سر تاج ہے۔ اقبال نے غزل کو بھی ایک نئی رفعت سے روشناس کروایا اور نظم کو وہ بلندی عطا کی کہ وہ غزل کا سامنا کرنے کے لیے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ انھی خیالات کو شاعر نے یوں الفاظ کا روپ دیا ہے:

غم ناک یتیموں کی دعا ہے تری آواز
ناسازیٔ دوراں کی دوا ہے تری آواز
پر پیچ سے جنگل کی شبِ تار میں اکثر
کہتا ہوں یہ سچ بانگِ درا ہے تری آواز
تکلیف سفر کوئی نہیں ہوتی سفر میں
وحشت میں فقط را ہنما ہے تری آواز
غزلوں کا شہنشاہ تو نظموں کا بھی سر تاج
بلبل کے ترنم کی صدا ہے تری آواز
خاروں کو بنا دیتی ہے فردوسِ بہاراں
لالہ کے جھکولوں کی فضا ہے تری آواز(۲۰)

غزل کی ردیف تری آواز ہے جس سے مراد اقبال کی آواز ہے۔ اقبال نہ صرف اپنے دور بلکہ بعد میں آنے والے ہر دور کی وہ آواز ہے جو علم و آگہی کے متوالوں کے کانوں میں بانگِ درا میں بن کر گونجتی رہے گی اور حکمت و فلسفے کی گتھیاں سلجھاتی رہے گی۔ اقبال کی

صدا چونکہ دل سے نکلتی ہے اس لیے دل تک پہنچتی ہے۔ یہ آہ رسا ہے، یہ دل کا بھجن ہے۔ اس سے اسرار و رموزِ خودی و بے خودی کھلتے ہیں۔ کافر کے لیے کاٹ اور مومن کے لیے صدق نما ہے۔ شاعر نے اقبال کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ہے :

لیتے ہیں سبق اب بھی تری بات سے عاقل
آداب وفا کی یہ بنا ہے تری آواز
کھلتے ہیں ترے شعر سے اسرار خودی کے
گویا کہ حقیقت کی ضیا ہے تری آواز
کافر کے لیے کاٹ ہے شمشیر خدا کی
مومن کے لیے صدق نما ہے تری آواز
انورؔ کو اسی شوق میں ڈوبا ہوا پایا
اسلام کی تاریخِ وفا ہے تری آواز(۲۱)

کبیر انور جعفری نے اقبال کی آواز اور صدا کو وہ آواز قرار دیا ہے جو اپنے دور کی موثر ترین اور انقلاب برپا کر دینے والی آواز تھی۔ محبت میں بھیگے ہوئے الفاظ اور عقیدت میں ڈوبے ہوئے اشعار اقبال کے لیے لاتعداد چاہنے والوں نے تحریر کیے ہیں۔ انھی عاشقانِ اقبال میں کبیر انور جعفری کی آواز بھی شامل ہے مگر اپنی انفرادیت کے باوصف قابلِ تحسین ہیں۔ اقبال کی فکر و فلسفہ کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے لیے محبت کے جذبات کا اظہار خوب صورت پیرائے میں کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مختار حُر: "جھنگ کی علمی و ادبی روایت" (مقالہ پی ایچ ڈی، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد: ۲۰۱۴ء) ص ۱۰۶

۲۔ مجید امجد: "اقبال" مشمولہ "کلیات مجید امجد" (مرتبہ: خواجہ محمد زکریا، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء) ص ۱۸۰

۳۔ ایضاً، ص ۱۸۰

۴۔ ایضاً

۴۔ ایضاً، ص ۲۰۵

۵۔ ایضاً، ص ۲۰۶

۶۔ غلام بھیک نیرنگ: "ترانہ مسرت"، مشمولہ "کلام نیرنگ"، (مرتبہ: ڈاکٹر معین الرحمن عقیل، مکتبہ اسلوب، کراچی، اشاعت سوم، ۱۹۸۳ء) ص ۱۴۱

۷۔ ایضاً، ص ۱۴۲

۸۔ ایضاً، ص ۱۴۳

۹۔ شیر افضل جعفری: "اقبال"، مشمولہ "بہ حضور اقبال"، (مرتبین: مصباح الحق صدیقی، تسنیم کوثر گیلانی، شہزاد پبلشرز، لاہور: جون ۱۹۷۷) ص ۴۲

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ شیر افضل جعفری: "بہ حضور قلندر"، مشمولہ "بہ حضور اقبال"، (مرتبین: مصباح الحق صدیقی، تسنیم کوثر گیلانی، شہزاد پبلشرز، لاہور: جون ۱۹۷۷) ص ۴۴

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ جعفر طاہر: "اقبال" نظم، مشمولہ "جعفر طاہر کی ادبی خدمات" (احسن علی خان، مقالہ برائے ایم فل، مخزونہ، فیصل آباد، جی سی یونیورسٹی، ۲۰۱۱ء) ص ۱۱۴

۱۴۔ رفعت سلطان: "حضرت علامہ اقبال" مشمولہ "بہ حضور اقبال"، (مرتبین: مصباح الحق صدیقی، تسنیم کوثر گیلانی، شہزاد پبلشرز، لاہور، جون ۱۹۷۷) ص ۶۲

۱۵۔ ایضاً، ص ۶۳

۱۶۔ ابن انشا: "حدیث خواب" (ماورا پبلشرز، راول پنڈی، ۱۹۷۴ء) فلیپ

۱۷۔ عبدالعزیز خالد: "اقبال" مشمولہ "بہ حضور اقبال" (مرتبین: مصباح الحق صدیقی، تسنیم کوثر گیلانی، شہزاد پبلشرز، لاہور: جون ۱۹۷۷) ص ۵۱

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ ایضاً، ص ۵۲

۲۰۔ کبیر انور جعفری: "اقبال کی آواز، مشمولہ "بہ حضور اقبال"، (مرتبین: مصباح الحق صدیقی، تسنیم کوثر گیلانی، شہزاد پبلشرز، لاہور: جون ۱۹۷۷) ص ۱۱۳

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۱۴